ڈاکٹر محمد یوسف خاں

فن مرثیہ اور حضرت خنسا
بحیثیت ایک مرثیہ گو شاعرہ

عربی شاعری میں مرثیہ کا فن بھی دوسرے فنون کی طرح بہت پُرانا ہے۔ چنانچہ جاہلی شاعری کے قدیم ترین نمونوں میں مرثیہ کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ ان نمونوں کی قدیم زبانوں ہی سے فنی اہمیت رہی ہے اور یہ ایک خاص شہرت کے حامل ہیں ۔ اس کی بہت سی وجوہ میں سے بڑی وجہ تو خود عربوں کی بدویانہ زندگی تھی ۔ قبائلی عصبیت، نسلی تفاخر اور کارزار حیات میں بازی لے جانے کا جذبہ اُنھیں مستقل برسرِ پیکار رکھتا تھا۔ زمانے کے حادثات کے مقابل سینہ سپر ہونے اور جنگ و جدل کی گرم بازاری نے اُنھیں اس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں وہ قتل ہو جانے پر فخر محسوس کرتے تھے، اور بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جانے کو رسوائی اور ذلت کی علامت سمجھتے تھے ۔ اس ضمن میں سموآل ابن عادیہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں !

وَانالقوم ما نری القتل سُبّۃً　　　اذا مَارأتہ عامر و سلول

(ہم جنگ میں قتل ہو جانا ذلت کی بات نہیں سمجھتے بلکہ عامر اور سلول کے خاندان کے لوگ ایسا گمان کرتے ہیں۔)

یقربنا بالموت حالساً لنا　　　وَتکرھہ اجلھم و تطول

(موت سے پیار نے ہماری موتوں کو ہم سے قریب کر دیا ہے۔ مگر ان کی موتیں اُنھیں ناپسند کرتی ہیں اور وہ ان سے دُور دُور رہتی ہیں۔)

ظاہر ہے جب معاشرے میں اس طرح کے جذبات کارفرما ہوں گے تو جان نثار کر دینے والے بھی بلاشبہ بلند حوصلہ افراد ہوں گے۔ اسی چیز کی تائید کرتے ہوئے سموأل نے کہا ہے۔

تعیّرنا انا قلیل عدید نا　　　فقلت لھا ان الکرام قلیل

(میری رفیق زندگی ہمیں اس بات پر طعنہ دیتی ہے کہ ہم تعداد میں بہت تھوڑے ہیں، تو میں نے کہا کہ اچھے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔)

بہر حال سوچنے کی بات ہے کہ جب ایک بلند حوصلہ اور باعزت اور مختلف خوبیوں کا حامل انسان معاشرے سے انتقال کر جائے جس کا تانا بانا اور نشو و نما خاص قبائلی طرزِ حیات پر ہو تو یقیناً اس کی کمی اس کے اہلِ خانہ کو ہی نہیں بلکہ اس کے پورے قبیلے کو محسوس ہوگی اور پس ماندگان اس کی یادوں کو زندگی کے ہر ہر موڑ پر اور ہر پیش آنے والے حالات کے مقابلے میں سینہ سپر ہو جانے کو ہمیشہ ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔ چنانچہ یہ کمی، اس کے گزشتہ کارہائے نمایاں اور پھر اس سے جذباتی لگاؤ مرثیہ کا محرک بن جاتے تھے۔

مرنے والے کا اس دُنیا سے کوچ کر جانا ایک سانحہ عظیم ہوتا تھا۔ جاہلی سماج میں عورتوں کے مقابلے میں قابلِ ستائش مردوں کی دائمی جدائی بڑی اہمیت رکھتی تھی کیونکہ ان سے تمام افراد اور خود پورے قبیلے کا مفاد وابستہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مردوں کی بہ نسبت عورتوں کا مرثیہ خال خال ہی ملتا ہے۔ ان کے مراثی کی قدر و قیمت بھی زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ دوسرے رُخ سے دیکھیے تو خود عورتوں کا مفاد اس قبائلی نظام میں ایسے مردوں سے بہت زیادہ وابستہ ہوتا تھا جو اچھے اوصاف سے متصف ہوتے تھے۔ کیونکہ وہی ان کی عزت اور ناموس کے آخری محافظ ہوتے تھے۔ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ عورتوں میں جو شاعرات پیدا ہوئیں ان کا کلام مراثی کے سلسلے میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ فطری طریقے پر نوحہ گری بھی انہی کے حصّے میں آئی ہے۔ چنانچہ اس عہد میں میّت پر نوحہ گری کے لیے عورتوں کی ایک پیشہ ورانہ ٹولی وجود میں آگئی تھی جو وفات کے مواقع پر نوحہ گری کے فرائض انجام دیا کرتی تھی۔

مرثیے کی مقبولیت کی دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ اس کے اشعار میں جذبات کی ترجمانی کا حقیقت پسندانہ مظاہرہ ہوتا تھا۔ عام طور پر شاعر وہ کچھ کہتا تھا جسے اس کا دل صحیح سمجھتا تھا اور پھر کہیں زیادہ اس کا قلبی لگاؤ بھی ہوتا تھا۔ عہد عباسی کے مشہور نقاد ابو عبیدہ کے مطابق مراثی اَحسنُ مناطق الشعرا ہے۔

اسی طرح جاحظ سے منقول ہے کہ کسی بدوی سے سوال کیا گیا کہ اس کے نزدیک شعر کی سب سے اچھی قسم کون سی ہے تو اس نے جواب دیا کہ وہ شعر جس کے ذریعے ہم اپنی اولاد اور آبا و اجداد پر آنسو بہاتے ہیں اور دلی جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

قبل از اسلام مرثیہ نگاری میں جاہلی اقدار اور جاہلی تصورِ حیات کی جھلک ملتی ہے۔ جاہلی دور کے شعرا کے یہاں اس دُنیا کی زندگی کے بعد دوسری زندگی کا تصور واضح نہیں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ خدا کا وہ تصوّر بھی نہیں ملتا جو اسلام نے پیش کیا۔ اس کے برعکس توہمات اور دیوتاؤں کی پرستش کا رجحان عام تھا چنانچہ موت ان کی نظر میں ایک ایسا ان دیکھا ہاتھ تھا جو بے رحمی کے ساتھ انسانی زندگی کو کچلتا اور مسلتا رہتا ہے۔

بات یہ ہے کہ اس اَن دیکھی طاقت سے مفر بھی نہیں ہے۔ موت کا وقت بہر حال متعین ہے اور اس کا پنجہ ہر فرد و بشر کا گلا گھونٹ کر رہے گا۔ موت کے اس ظالم اور بے رحم ہاتھ کے خلاف ایک عام غم و غصّے کا تصوّر پایا جاتا ہے۔ شاعر مرنے والے کے لیے اپنے غموں کا اظہار آنسو بہا کر کرتا ہے۔ یہ غم چونکہ دائمی ہے اس لیے شاعر زندگی بھر رونے کی بات کرتا ہے۔ عصرِ جاہلی کے شعراء کے یہاں غم کا تقاضا یہی ہے کہ زندگی بھر رویا جائے۔

اپنے دور کی مشہور ترین شاعرہ اور اس عہد کی سب سے بڑی مرثیہ گو شاعرہ خنساء کے الفاظ و افکار ملاحظہ ہوں۔ بھائیوں کی دائمی جدائی پر وہ اپنے غم کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہے۔

سأبكيهما والله ما حن وَالـه   وَ انا أثبت اللهُ الجبال الرواسيا

(خدا کی قسم اب تو میں تم دونوں پر آنسو بہاتی رہوں گی، اس وقت تک جب تک کہ اس دُنیا میں کسی غم زدہ کی آہ و بکا بلند ہوتی رہے گی اور اللہ بلند و بالا پہاڑوں کو قائم رکھے گا۔)

خنساء عرب کے قبیلہ قیس کی شاخ تمیم سے تعلق رکھتی تھی اور قبیلۂ تمیم کے سردار کی بیٹی تھی — انتہائی بہادر، حسین اور خوب صورت تھی۔ علم و ادب کی دلدادہ تھی۔ انہی اوصاف کی بدولت مشہور شاعر دُرید بن الصمۃ سے بیاہی گئی۔ بچپن ہی سے طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل تھی۔ اس کے دو بھائی صخر اور معاویہ اپنے قبیلوں کے سردار تھے۔ ان سے خنساء کو بے حد لگاؤ اور محبت تھی۔ اتفاقاً اس کے دونوں بھائی کسی جنگ میں مارے گئے، جس کا اس کو زندگی بھر افسوس رہا۔ اس کے دل پر اس کا اتنا گہرا صدمہ تھا کہ اس کی ساری شعری توانائیاں صرف مرثیہ نگاری کے لیے وقف ہو گئیں۔ اس کے اس شدید دلی صدمے کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جنگ قادسیہ میں اس کے چار بیٹے شہید ہو گئے، مگر اس نے افسوس کا اظہار تک نہ کیا۔ لیکن بھائیوں کا غم آخری دم تک رہا۔

بھائیوں کی یاد چونکہ ہر گھڑی رہتی تھی اس لیے ان کی جدائی کا غم بھی تر و تازہ رہتا تھا اور خنساء کی آنکھوں سے آنسو رواں رہتے تھے۔ روتے روتے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ سراپا آنسو بن چکی ہے۔

فأمسيتُ عبرى لا يجف بكائيا

(بس میرا وجود ایک آنسو بن چکا ہے جو رونے سے خشک نہیں ہوتا ہے۔)

ظاہر ہے کہ جب ہجوم غم کا یہ عالم ہو تو غایت مایوسی میں انسانی وجود محض بے کار معلوم ہونے لگتا

ہے۔ خودکشی بھی آسان لگتی ہے۔ خنسا بھی اس سٹیج پر جا کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے ۔

فلولا کثرۃ الباکین حولی — علی اخوانہم لقتلت نفسی

(اگر میرے ارد گرد اپنے اپنے بھائیوں پر رونے والیوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں یقیناً جان دے چکی ہوتی ۔)

خنسا نے اپنے بھائیوں پر متعدد مرثیے تحریر کیے ہیں۔ بلاشبہ اس کے اشعار زبان و بیان کی قدرت، نغمہ ریزی اور پرسوزی میں قابلِ ستائش ہیں۔ ان اشعار نے عکاسی کی ہے شاعرہ کے ان غمگین جذبات کی جنھوں نے اس کو اپنے بھائیوں کی موت کی وجہ سے گھیر لیا ہے ۔ ان سے اس کے قلبِ حزیں کی کیفیات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔ جہاں جذبات کی گرمی اشعار میں موجود ہے ، بھائیوں کی خوبیاں بیان کرتے وقت مبالغہ آمیزی اور تکرار اور الفاظ سے اجتناب شاعرہ کے لیے ممکن نہ ہو سکا ۔

خنسا نے اشعار میں اپنے دلی جذبات اور خیالات کو فنی اعتبار سے سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس کے اشعار میں جذبات کا عجب اُتار چڑھاؤ نظر آتا ہے ۔ وہ اپنے بھائیوں کو جاہلی دور کی مردانگی اور شجاعت کا ایک اعلیٰ نمونہ بنا کر پیش کرتی ہے ۔ اس نے اپنے بھائیوں کے جہاں دوسرے اوصاف بیان کیے ہیں وہاں وہ ان کے اخلاقی اوصاف کا بھی تذکرہ کرتی ہے۔ کہتی ہے :

وللضیاف اذا طرقوا ھدءاً — وللجار المقل وکل سفر

(اور مہمانوں کے لیے جب وہ دیر رات میں آجائیں اور اس بے یار و مددگار پڑوسی کے لیے جب اس کی سواری تھک جائے اور اسی طرح ہر مسافر کے لیے)

وللخصم الالد اذا تعدی — فیأخذ حق مقھور بقسر

(اور آنسو بہاؤ اس شخص کے لیے جو تیار رہے لڑنے اور عاجز کا حق دلانے کے لیے جس کو اس کے دشمن نے طاقت کے زور پر غصب کر لیا ہو ۔)

اب خنسا اپنے شدّتِ غم ، رنج و الم کا اظہار کرتی ہے اور بتانے کی کوشش کرتی ہے وہ مصائب جو صخر کی موت کی شکل میں اُس پر آن پڑتے ہیں ، کہتی ہے ۔

لقد صوت الناعی بفقد اخی الندی — نداءً العمری لا أبالک یسمع

(تحقیق بہت زور سے اور زبردست آوازِ بلند سے موت کی خبر دینے والا چلایا ، اور میری

زندگی کی قسم یہ چلاہٹ بہت دور دراز تک سنی گئی ۔ کہ میرے بھائی صخر کی موت کی شکل میں نقصان عظیم ہوگیا ہے ۔)

اليه كانّ حوبة و تخشعا   اخو الخمر يسموا تارة ثم يصرعُ

(میں اس خبر کو سن کر بدحواس اور بے ہوش ہوگئی، گویا کہ مجھے زبردست نشہ ہوگیا ہے ۔ پھر اچانک شاعرہ کے ہونٹ کانپتے کانپتے بند ہوجاتے ہیں ۔)

تذكرتُ صخراً اذا تغنّت حمامة   عتوف على غصن من الايك تسجعُ

(میں صخر کو یاد کرتی رہی، جب تک فاختہ جنگل میں کسی پیڑ کی شاخ پر بیٹھے گانا گاتی رہی)

فظلتُ لها ابكي بدمع حزينة   وقلبي مما ذكرتني فوجّعُ

میں صخر کو یاد کرکے برابر غم کے آنسو بہاتی رہی اور میرا دل اس کے ذکر سے غم زدہ اور حزیں ہوگیا ۔)

انی ارقتُ بنت الليل ساهرة   كانما كُحِلَتْ عيني اجواد

(میں رات بھر جاگتی رہی ۔ اور رات گزاری دیکھتے ہوئے، گویا کہ میری آنکھوں میں غموں کی مواد بھر دی گئی ہے ۔)

پھر یہ مغموم شاعرہ اپنے بھائی صخر کی موت کے شدتِ غم میں غرق اور ڈوبے ہوئے زور دے کر علی الاعلان کہتی ہے کہ وہ صخر کو کبھی بھی اپنے ذہن سے محو نہ ہونے دے گی اور اس کو زندگی کے آخری سانس تک یاد کرتی رہے گی ۔ اس ضمن میں اس کے غم سے بھرپور کچھ اشعار پیش ہیں ۔

ألا يا صخر ولا انساك صخرم   افارق مسجتي ويشق رمسي

(اے صخر تجھے میں اس وقت تک نہیں بھول سکتی جب تک کہ میری روح میرے جسم سے پرواز نہ کر جائے اور میری قبر نہ کھود دی جائے ۔)

يذكرني طلوع الشمس صخراً   واذكره لكلّ غروب شمس

(طلوعِ شمس مجھے صخر کی یاد تازہ کر دیتا ہے ۔ اور میں بھی اس کو ہر دن غروب آفتاب کے وقت یاد کرتی رہوں گی)

سوف ابكيك ما فاحت مطوّقة   وما اضاءت نجوم الليل للسادی

(میں مستقل تیرے لیے روتی اور گریہ زاری کرتی رہوں گی، جب تک فاختہ نوحہ اور آہ و زاری کرتی رہے گی اور افسوس کرتی رہے گی۔ اور جب تک قیادت کرنے والے ستارے رات کو سفر طے کرنے والے مسافروں کی رہنمائی کرتے رہیں گے، میں بھی نوحہ کرتی اور روتی پیٹتی رہوں گی)

بلاشبہ یہ وہ غم ہیں جو انسان کو بدحواس اور اس کے دماغی توازن کو معطل اور ہر شے سے بے خبر کر دیتے ہیں۔ ہر چیز نگاہ میں بے کار اور کسی کام کی نہیں رہ جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مرنے والے کی یادیں اس کے مغموم دل و دماغ سے کبھی بھی ایک لمحے کے لیے اوجھل نہیں ہوں گی۔ یہی تعلق خنساء نے اپنے دونوں بھائیوں صخر اور معاویہ کے ساتھ ظاہر کیا ہے، جیسے کہ اس کے مذکورہ بالا اشعار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ شاعرہ کو اپنے بھائیوں سے بے پناہ لگاؤ تھا اور وہ حد سے زیادہ ان دونوں سے محبت کرتی تھی۔ بہر حال یہ وہ جذبات ہیں جو فطری ہیں اور خنساء نے بھی اپنے جذبات اور محبت کی جو تصویر کشی کی ہے وہ حقیقت سے ہم آہنگ ہے۔

خنساء ظہور اسلام کے وقت نعمتِ اسلام سے مشرف ہوئی۔ مگر بھائیوں کے متعلق اس کے جذبات وہی رہے جو اسلام سے پہلے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ سوز و گداز اور الم و غم کے اظہار کے لحاظ سے عہد جاہلیت اور عہد اسلام دونوں میں اس کا مدمقابل کوئی شاعر نہیں آتا ہے۔ فخریہ اشعار اور مرثیہ نگاری میں کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

عرب کی اس مشہور شاعرہ کی شاعرانہ خصوصیات میں سلاست و روانی کے ساتھ سوز و گداز کے گہرے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے کلام میں غیر معمولی رقت آمیزی اور یاس انگیزی کے پہلو نمایاں ہیں۔